© rasailojaraid.com

مقالات

فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر سیالکوٹی
ترجمان سپریم کورٹ الخبر
(سعودی عرب

رویتِ ہلال، رمضان و عید وغیرہ

کسی بھی عربی مہینے کی آمد صرف دو ہی طرح سے ثابت ہوسکتی ہے :

اولاً: رویتِ ہلال

ثانیاً: ماہِ رواں کا اکمال

مثلاً ماہِ رمضان کا چاند نظر آجائے تو اگلے دن روزہ ہوگا، چاہے شعبان کے ابھی انتیس دن ہی گذرے ہوں۔ اور اگر انتیس شعبان کو مطلع ابر آلود ہونے وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ماہ شعبان کی گنتی تیس دن پوری کر کے اگلے دن کا روزہ ہوگا، چاہے چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ اسی طرح اگر انتیس رمضان کو چاند طلوع نہ ہو، یا ابروباد وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس دن کی گنتی پوری کی جائے گی اور اس سے اگلے دن بہرصورت عید کی جائے گی، خواہ تیس رمضان کو چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ اور اگر انتیس رمضان کی شام چاند نظر آجائے، تو اگلا دن یکم شوال یعنی عید الفطر کا دن ہوگا۔

اس اصول کی بنیاد صحیح بخاری و صحیح مسلم میں، نیز نسائی و مسند احمد میں اس ارشادِ نبوی ﷺ پر ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لا تصوموا حتّٰی تروا الھلال ولا تفطروا حتّٰی تروہ فان غمّ علیکم فاقدروا لہ" (وفی روایۃ) فاکملوا العدّۃ ثلاثین" (بحوالہ مشکٰوۃ ۱/۶۱۵ و الفتح الربانی ۹/۲۴۷، عن ابن عمرؓ وابی ھریرۃؓ)

"اس وقت تک روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک کہ ہلالِ رمضان نہ دیکھ لو۔ اور اس وقت تک افطار (عید الفطر) نہ کرو جب تک کہ اسے دیکھ نہ لو (یعنی ہلالِ عید کو) اور اگر (بادوباراں کی وجہ سے) وہ نظر نہ آئے تو اس کا حساب کر لو (اور ایک دوسری روایت میں اس کی تشریح بھی آگئی ہے کہ) ماہِ رواں کی گنتی تیس دن پوری کر لو۔"

رؤیتِ ہلال کی شہادت:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ رؤیتِ ہلال کے سلسلہ میں یہ شرط نہیں کہ ہر آدمی خود اپنی آنکھ سے ہی چاند دیکھے تو روزہ رکھے یا عید کرے۔ بلکہ روزہ رکھنے کے لئے ہر عاقل و بالغ، نیک خصال و صدق مقال اور قوی البصر شخص شہادت دے دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کی شہادت پر روزہ رکھنا واجب ہوجائے گا۔ جیسا کہ ابو داؤد، ابنِ حبان، مستدرک حاکم، دارمی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں:

"تراءی الناس الھلال فاخبرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم انّی رایتہ، فصام وامر النّاس بصیامہ" (المنتقٰی مع النّیل ۲/۴/۱۸۷، مشکٰوۃ ۱/۶۱۷، ارواء الغلیل ۴/۱۶ وصحّحہ)

"لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور میں نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا!"

یہ تو ایک معروف آدمی کی شہادت کا معاملہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص مستور الحال ہو، اس کے فسق یا عدمِ فسق کا علم نہ ہو، تو ایک حدیث کی رو سے اس سے توحید و رسالت کی شہادت کا مطالبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے ۔۔۔ جیسا کہ سننِ اربعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و دار قطنی ' ابن حبان' بیہقی ' مستدرک حاکم' دارمی میں ایک متکلم فیہ حدیث ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اقرارِ توحید و رسالت کی شہادت طلب کی' اس نے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ تب آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

"یا بلال! اذّن فی النّاس فلیصوموا غدا" (مشکوۃ ۱/۶۱۶-۶۱۷، الارواء ۴/۱۵ وضعّفہ وصحّحہ الحاکم فی المستدرک ۱/۴۲۴ ووافقہ الذھبی بلوغ الامانی ۹/۲۶۷)

اے بلال رضی اللہ عنہ ' لوگوں میں اعلان کردیجئے کہ وہ کل روزہ رکھیں"۔

صرف ایک شاہد کی شہادت سے رمضان کا آغاز ثابت ہونا جمہور اہلِ علم کا مسلک ہے' جن میں ابن المبارک' مشہور قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ ' امام احمد رحمہ اللہ اور احناف بھی شامل ہیں۔

(بلوغ الامانی ۹/۲۶۸ و نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۷)

رؤیتِ ہلالِ عید کی شہادت

اور ہلالِ رمضان کی رؤیت جیسی صورت ہی ہلالِ عید کے بارے میں بھی ہے' سوائے اس کے کہ ابتدائے رمضان یا روزہ رکھنے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت کافی ہے' مگر انتہائے رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کے بارے دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے ---- جیسا کہ ابو داؤد ' نسائی ' دار قطنی' اور مسند احمد میں واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ انتیس رمضان کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو لوگوں نے صبح تیسواں روزہ رکھا۔ دن کے وقت دو اعرابی آئے اور انہوں نے رات چاند دیکھ لینے کی شہادت دی تو نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ روزہ افطار کردیں (الفتح الربانی ' ترتیب مسند احمد و شرحہ' ۹/۲۶۵--- وقال اسنادہ حسن ثابت) اس حدیث اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث (انظرھا فی الفتح و شرحہ ۹/۲۶۴ --- ۲۷۰) سے استدلال کیاجاتا ہے کہ عید کے چاند کے لئے دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ جمہور اہلِ علم' جن میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بھی شامل ہیں' ان سب کا مسلک یہی ہے۔

(بلوغ الامانی ۹/۲۶۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسرا قول

اگرچہ بعض اہلِ علم نے ہر دو کے لئے ایک ایک شہادت، اور بعض نے ہر دو کے لئے دو دو شہادتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔۔۔۔ صرف ایک ہی شاہد عادل کی گواہی سے ہلالِ عید کا اثبات امام ابو ثورؒ کا قول ہے، لیکن ان کے پاس کوئی صحیح و مرفوع حدیث پر مبنی دلیل نہیں ہے۔ صرف عبدالرحمان بن ابو لیلیٰ سے مروی ایک اثرِ فاروقی ہے، جو کہ مسند احمد و بزار میں ہے۔ اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یاایہا الناس افطروا!"

"اے لوگو، روزہ افطار کر لو!"

لیکن ایک تو یہ اثر ہے، مرفوع حدیث نہیں، دوسرے یہ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے لکھا ہے: اس کی سند میں ایک راوی عبدالاعلیٰ ثعلبی ہے، جس کے بارے امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اور اس کی حدیث لکھی جائے گی، جبکہ دیگر ائمۂ فن نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا یہ حجت کے قابل نہیں ہے۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ان کی تائید میں جو اندازِ استدلال اختیار فرمایا ہے، اس کی تفصیل نیل الاوطار میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(النیل ۴/۱۸۷-۱۸۸)

اب رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ رمضان و عید ہر دو کے اثبات کے لئے دو گواہ ضروری ہیں، ان کا استدلال نسائی، دار قطنی اور مسند احمد میں حضرت عبدالرحمان بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فان شہد شاہدان فصوموا وافطروا" (مسند احمد میں "شاہدان" کے بعد "مسلمان" بھی ہے۔ اور دار قطنی میں "ذوا عدل" ہے۔ بحوالہ المنتقیٰ مع النیل ۴/۱۸۸-۱۸۹، ارواء الغلیل ۴/۱۶-۸۷، الفتح الربانی ۹/۲۶۴-۲۶۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اگر دو گواہ، جو مسلمان ہوں اور عادل ہوں، گواہی دے دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی پر روزہ رکھو اور افطار کرو!"

اس حدیث کی تائید ابو داؤد اور دار قطنی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں امیرِ مکہ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"عهد الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ننسك للرؤية فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما۔" (المنتقى ۲/۴/ ۱۸۹ وصححه دارقطنی)

"ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم رویتِ ہلال پر عمل کریں۔ اور اگر چاند نہ دیکھ پائیں اور دو عادل شاہد گواہی دے دیں تو اس پر عمل کرلیں"۔

ان احادیث میں رمضان و عید ہر دو کے اثبات کے لئے دو گواہ مذکور ہیں۔ لیکن رمضان کے سلسلے میں چونکہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات میں ہے کہ ایک ہی گواہ کی شہادت پر روزہ رکھا گیا تھا، لہٰذا ان ہر دو مواقع کا فرق واضح ہوگیا۔ اور دو والی احادیث کے تو صرف مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کی شہادت سے روزہ نہیں رکھا جائے گا ــــــ جب کہ ایک کی شہادت سے روزہ رکھنے والی احادیث کا منطوق (ظاہری الفاظ و مفہوم) بتاتا ہے کہ ایک کی شہادت اس موقع کے لئے کافی ہے، اور منطوق کی دلالت مفہوم سے راجح ہوتی ہے، لہٰذا اثباتِ رمضان کے لئے ایک ہی شہادت کافی ہے۔

(بلوغ الامانی ۹/۲۶۸)

فیصلہ کن بات

ان مختلف اقوال اور احادیث کے مابین جمع و تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے اور یہی فیصلہ کن بات بھی ہے کہ روزے کے لئے ایک، اور عید کے لئے دو گواہوں والی بات ہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ کیونکہ روزہ ایک پابندی ہے جس سے قدرے بوجھ یا مشقت محسوس ہوتی ہے، اس کی شہادت (گواہی دینے میں) کسی شبہ کا احتمال نہیں ہوتا، جب کہ عید کے چاند سے ایک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے اور ایک شخص کی شہادت میں شبہے کا احتمال ممکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، لہٰذا اس کے لئے دو آدمیوں کی گواہی کا عہد ہی مناسب ہے!

(فتاویٰ علمائے اہل حدیث ۶ / ۱۹۳، مؤلفہ مولانا علی محمد سعیدی و اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص ۴۳، طبع مکتبہ ایوبیہ کراچی)

ایک نادر صورت

اگر چاند نظر نہ آئے اور نہ ہی کوئی شہادت ہو، تو تیس کی تعداد پوری کر لینی چاہیئے اور اگر کوئی ایسی شہادت ہو، جو شرعاً معتبر نہ ہو، تو ایسے موقع شہادت دینے والا، خواہ واقعۃً سچا ہی کیوں نہ ہو، اسے اکیلے اپنی رؤیت پر عمل نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ باقی لوگوں کے ساتھ رہے۔۔۔ جس دن سب لوگ روزہ رکھیں، وہ بھی رکھے۔ اور جس دن سب لوگ عید کریں، اسی دن وہ بھی عید کرے۔۔۔ اور قربانی اور عید الاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے ۔۔۔۔۔۔ ابو داؤد، ترمذی و ابن ماجہ میں حدیث ہے:

"الصوم یوم تصومون و الفطر یوم تفطرون و الاضحی یوم تضحون۔"
(الارواء ۴/۱۱-۱۴ و صححہ، مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۵/۱۱۴، فتاوی علماء اھل حدیث ۱۹۴/۶)

"روزے کا دن وہی ہے، جس دن تم سب لوگ روزہ رکھو۔ اور عید کا دن وہی ہے، جس دن تم سب لوگ عید کرو۔۔۔ اور عید الاضحیٰ و قربانی کا دن بھی وہی ہے، جس دن تم سب قربانی کرو"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کبھی پہلا روزہ کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکا ہو، اور اٹھائیس روزے پورے ہونے پر ہلالِ عید نظر آجائے ۔۔۔۔۔ جیسا کہ پچھلے سالوں میں ایک مرتبہ عرب ممالک (خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب) میں ایسا ہو گیا تھا، تو ایسے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید کر لینی چاہیئے، مسلمانوں کی عید کے دن انتیسویں روزے کے لئے بلاوجہ بضد نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ چونکہ متفق علیہ بات ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہو سکتا، لہٰذا عید کے بعد کو ایک روزہ قضاء ضرور رکھ لینا چاہیئے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلافی مافات بھی ہوجائے، مسلمانوں کی عید کی اجتماعی خوشیوں میں شرکت بھی ہوجائے، اور چاند چونکہ نظر آگیا ہے، لہٰذا صحیحین و سنن میں وارد حدیثِ نبوی ﷺ:

"صوموا لرؤیتہ و افطروا لرؤیتہ"

(الارواء ۳/۴، المنتقی ۲/۴/۱۸۹) پر بھی عمل ہوجائے (ملخصۃ من الفتاویٰ ۲۰۷/۱)

اس سلسلہ میں اس سال متعدد کبار علماء کے فتاویٰ صادر ہوئے تھے، جن میں یہی بات بیان کی گئی تھی ---- (دیکھئے فتویٰ الشیخ ابن باز فی فتاویٰ اسلامیہ ۱۳۲/۲ طبع دارالقلم بیروت)

دوسرے مقام کی رؤیت

اگر ایک جگہ کے لوگ رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں، لیکن باد و باراں یا گرد و غبار کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکیں، اور کسی دوسرے مقام پر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے چاند دیکھ لیا جائے، اور وہاں سے ٹیلی فون، ٹیلی گرام کے ذریعے خبر مل جائے تو ٹیلیفون کی صورت انتہائی واضح ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ خبر دینے والے کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔ البتہ ٹیلی گرام کے بارے میں فقہاء کی رائے کافی کچھ مختلف یا تفصیل پر مشتمل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیاوی امور میں تار و ٹیلی گرام کو معتبر سمجھتے ہیں، ایسے ہی اگر متعدد لوگوں کی طرف سے اتنے تار آجائیں جو حدِ تواتر کو پہنچ جائیں، اور خبر کا یقین ہوجائے تو یہ تار والی خبر بھی معتبر ہوگی۔ اور یہی معاملہ قریبی ٹیلی ویژن، ریڈیو کی خبر کا بھی ہے۔ کسی اسلامی ملک یا غیر اسلامی ملک کے مسلمانوں کی کسی انجمن کی طرف سے بنائی گئی رؤیتِ ہلال کمیٹی چاند نظر آنے کا اعلان کردے (جسے ان کے حوالے سے چاہے کوئی غیر مسلم اناؤنسر ہی کیوں نہ نشر کرے) تو اس ملک یا اس مقام کے ہمسایہ ممالک کے قریبی علاقوں میں رہنے والے عوام کے لئے شرعی حجت پوری ہوجاتی ہے۔ یہ ہلالِ رمضان ہو تو روزہ رکھ سکتے ہیں، اور اگر ہلالِ شوال ہو تو عید کرسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چاند کی خبر ہونے پر سننِ اربعہ و دارمی والی حدیث میں نبی ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو "اذّن فی النّاس ان یّصوموا غدًا" (وقد مرّ قریبًا) کے اعلان کا حکم دینا سرکاری اعلان کی حیثیت سے قابلِ توجہ امر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلافِ مطالع کا اعتبار

لیکن یہاں ایک اہم بات پیشِ نظر رہے کہ ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی فون یا ٹیلی گرام کی خبر تو چند لمحات میں اطراف و اکنافِ عالم میں پہنچ جاتی ہے، تو کیا جہاں کہیں بھی چاند نظر آئے اور جہاں جہاں تک خبر پہنچ جائے، ان سب لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جائے گا؟

—— یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو "اختلافِ مطالع" کے عنوان سے محدثین اور فقہاء میں عہدِ قدیم سے ہی معروف چلا آرہا ہے۔ اور اہلِ علم نے اس موضوع پر بڑی طول طویل بحثیں لکھی ہیں، جن سے شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں، اور انہوں نے اس مسئلہ کو نکھارنے کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ ان تمام بحوث کا خلاصہ جسے "عطرِ گل" کہا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ:

پوری دنیا میں چاند کا مطلع یا وقتِ طلوع ایک نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض ممالک میں چاند شام کو نظر آسکتا ہے، جب کہ دُوسرے دور کے ممالک میں اسی دن چاند کا نظر نہ آنا آج ایک کھلی ہوئی حقیقت بن چکا ہے، لہٰذا اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس دن سعودی عرب اور قریب کی خلیجی ریاستوں یا ممالک میں روزہ یا عید ہو، اسی دن پاک و ہند اور دنیا کے دیگر دور افتادہ ملکوں میں بھی ہو۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس دن ایران و افغانستان میں روزہ یا عید ہو، اسی دن انڈیا اور بنگلہ دیش میں بھی ہو۔ بلکہ ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے اور وہاں کے رہنے والے لوگ اس کے پابند ہیں۔ اس بات کو احناف نے بھی مانا ہے (دیکھیے جدید فقہی مسائل)

مطالع میں اختلاف کے لئے مسافت

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ وہ دوری کتنی ہے کہ دو جگہوں یا ملکوں میں چاند کا مختلف دنوں میں نظر آنا ممکن ہے؟ اور اس دوری و مسافت پر واقع ممالک کی اپنی اپنی رؤیت شمار ہوگی؟—— اس مسافت کے سلسلہ میں بھی فقہاء اور اہلِ علم نے متعدد آراء ظاہر کی ہیں۔ بعض نے مجمل طور پر لکھا ہے کہ عراق و حجاز اور شام ایسے ممالک ہیں اور اتنی دوری پر واقع ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لئے ایک دوسرے کے ملک کی رؤیت کافی نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے ملک کی رؤیت پر عید کرنے یا روزہ رکھنے کے پابند ہیں، بلکہ ان تینوں ملکوں میں سے ہر ملک خود اپنی رؤیت پر انحصار کرے گا۔ اور حضرت عکرمہ کے ارشاد "لکل اھل بلد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رؤیتھم" (ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے) کا یہی مطلب ہے کہ ایسے ملکوں کی اپنی اپنی رؤیت ہے۔

(المغنی لابنِ قدامہ ۳/۸۱ طبع مصر)

اور اس مجمل مسافت یا دوری کی مزید وضاحت اس امر سے بھی ہوجاتی ہے کہ علم ہیئت و جغرافیہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت چاند اگر کسی ملک میں آٹھ درجے بلند ہے تو وہ غروبِ آفتاب کے بعد تیس منٹ تک رہے گا۔ ایسا چاند اس مقامِ رؤیت سے مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ یا پانچ سو میل تک ضرور موجود ہوگا۔ تو گویا جہاں چاند نظر آجائے وہاں سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ یا کم از کم پانچ سو میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا' اس سے آگے نہیں۔ اور مقامِ رؤیت سے مغربی جانب کے ممالک میں مطلقاً رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مشرق میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں اس کا طلوع ضروری ہے' لیکن مغرب میں اس کے دیکھے جانے سے مشرق میں اس کا دیکھا جانا ضروری نہیں (بحوالہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور ' شمارہ ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء نیز دیکھئے رمضان المبارک کے فضائل و احکام از شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی (صاحبِ مرعاۃ) ص ۸۔۱۲ طبع جامعہ سلفیہ بنارس)

علماء و فقہائے احناف کی نظر میں

پاک و ہند کے معروف حنفی عالم و محقق مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور مختلف فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں۔ مثلاً وہ "مراقی الفلاح" نامی کتاب سے اس کے مصنف کا اختلافِ مطالع کے بارے میں نظریہ ان کے اپنے الفاظ سے یوں نقل کرتے ہیں:

"وقیل یختلف ثبوتہ باختلاف المطالع واختارہ صاحب التجرید، کما اذا زالت الشمس عند قوم و غربت عند غیرھم۔ فالظھر علی الاولین لا المغرب لعدم انعقاد السبب فی حقھم"

"بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کی وجہ سے رؤیتِ ہلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ثبوت میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ تجرید القدوری کے مصنف نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں سورج سر سے ڈھل جائے اور دوسروں کے یہاں غروب ہو جائے، تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب، کیونکہ ان کے حق میں مغرب کا سبب متحقق نہیں ہوا ہے۔"

اور مراقی الفلاح کے حاشیہ پر علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:

"وھو الاشبہ لان انفصال الھلال من شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار کما فی دخول الوقت وخروجہ وھذا مثبت فی علم الافلاک و الھیئۃ و اقل ما اختلف المطالع مسیرۃ شھر کما فی الجواھر۔"

"یہی رائے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ چاند کا سورج کی کرنوں سے خالی ہونا علاقوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، جیسا کہ اوقاتِ (نماز) کی آمدورفت ہیں۔ اور یہ فلکیات و علم ہیئت کے مطابق ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور کم از کم جس مسافت سے اختلافِ مطالع واقع ہوتا ہے، وہ "جواہر" نامی کتاب کے مطابق ایک ماہ کی مسافت ہے۔"

اور فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے:

"اھل بلدۃ اذا رأوا الھلال ھل یلزم فی حق کل بلدۃ؟ اختلف فیہ۔ فمنھم من قال: لا یلزم ...... وفی القدوری: ان کان البلدتین تفاوت لا یختلف بہ المطالع یلزمہ۔"

"ایک شہر والے جب چاند دیکھ لیں، تو کیا تمام شہروں والوں کے حق میں رؤیت لازم ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہو گی۔ اور قدوری میں ہے کہ اگر دو شہروں کے مابین ایسی تفاوت و دوری ہو کہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہو، تو اس صورت میں رؤیت لازم ہو گی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صاحب ہدایہ اپنی ایک دوسری کتاب "مختارات النوازل" میں لکھتے ہیں:

" اهل بلدة صاموا تسعة وعشرين يوما بالرؤية فعلى الاولين قضاء اذا لم يختلف المطالع بينهما، امّا اذا اختلف لا يجب القضاء۔"

"ایک شہر والوں نے رویت ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند ہی کی بناء پر تمیں روزے رکھے ---- تو اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہو تو ۲۹ روزے رکھنے والوں کو ایک دن کی قضاء کرنی چاہئے۔ اور اگر دونوں شہروں کا مطلع جدا گانہ ہو تو قضاء کی ضرورت نہیں!"

اور معروف حنفی محدث علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے "کنز الدقائق" کی شرح "تبیین الحقائق" میں اختلافِ مطالع کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں فقہائے احناف کے مابین پایا جانے والا اختلاف نقل کرنے کے بعد جو فیصلہ کیا ہے' وہ یہ ہے:

" الاشبه ان يعتبر لان كل قوم مخاطبون بما عندهم و انفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف المطالع كما فى دخول وقت الصلوٰة و خروجه يختلف باختلاف الاقطار۔"

"زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے۔ کیونکہ ہر قوم و جماعت اس کی مخاطب ہوتی ہے جو اس کو درپیش ہو۔ اور چاند کا سورج کی کرنوں سے خالی ہونا مطالع کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے' جیسا کہ نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات علاقوں کے مختلف ہونے کی بناء پر مختلف ہوتے رہتے ہیں۔"

اور اس موضوع پر مفصل گفتگو کرنے اور فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد علامہ لکھنوی نے جو تلا فیصلہ صادر کیا ہے' وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اصح المذاہب عقلاً و نقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیمابین آنہا مسافتے باشد کہ در آں اختلاف مطالع می شود و تقدیرش مسافت یک ماہ است، دریں صورت حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر نخواہد شد و در بلادِ متقاربہ کہ مسافت کم از کم یک ماہ داشتہ باشند حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر لازم خواہد شد"

(مجموعۃ الفتاوٰی علیٰ ہامش،
خلاصۃ الفتاوٰی ۲۵۵-۲۵۶
۱

بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۸۱-۸۳، نیز دیکھئے اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص ۴۳-۴۷ طبع مکتبہ ایوبیہ کراچی)

"عقل و نقل، ہر دو اعتبار سے، سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ان کے مطالع بدل جائیں --- جس کا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے --- اس میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہیں ہونی چاہئے۔ اور قریبی شہروں میں، جن کے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو، ان میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے لازمی و ضروری ہوگی۔"

اور جدید فقہی مسائل کے مؤلف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضلِ دیوبند) نے لکھا ہے کہ:

"راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل، متوازن اور قرینِ عقل ہے۔ البتہ اختلافِ مطالع کی حدیں متعین کرنے میں "ایک ماہ کی مسافت" کی قید کی بجائے جدید ماہرینِ فلکیات کے حساب اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔"

اور مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک اجلاس ۳-۴ مئی ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا، جس میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ اس میں مسئلہ رؤیتِ ہلال کے تمام پہلوؤں پر غور اور فیصلے کئے گئے --- ان میں سے یہ بھی تھا کہ بلاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریبہ وہ شہر ہیں جن کی رؤیت میں عادۃً ایک دن کا فرق نہیں پڑتا (یعنی ایک ہی شام چاند نظر آجاتا ہے) اور فقہاء نے ایک ماہ کی مسافت، جو پانچ چھ سو میل ہوتی ہے، اتنی مسافت پر واقع شہروں کو بلادِ بعیدہ قرار دیا ہے، جن کی رؤیت الگ الگ سمجھ جائے گی (کہ ایک جگہ چاند نظر آسکتا ہے اور دوسری جگہ نہیں) اور اس سے کم مسافت کے شہروں کو بلاد قریبہ قرار دیا گیا ہے، جن میں سے ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے کافی و معتبر ہوگی ---- اور یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلس ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے، جس سے معلوم ہوجائے کہ مطلع (چاند طلوع ہونے یا اس کے نظر آنے کی جگہ) کتنی مسافت پر بدلتا ہے اور کن کن ملکوں کا آپس میں مطلع ایک ہے؟

پاک و ہند کے بیشتر حصوں اور بعض قریب ملکوں، مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علمائے پاک و ہند کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے، ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بعدِ مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ البتہ مصر و حجاز جیسے ملکوں کا مطلع پاک و ہند سے دور ہونے کی وجہ سے الگ ہے، لہٰذا ان میں اور پاک و ہند میں طلوعِ ماہتاب (طلوع ہلال) میں ایک دن کا فرق واقع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ان ملکوں کی رؤیت پاک و ہند والوں کے لئے لازم نہیں ہے۔

(مختصراً بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۸۳ ـ ۸۴)

اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں وار جنگ، سیلی گوری اور مدراس، میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے (جو مختلف ملکوں میں ہے) ہندوستان ایک ہی ملک ہے، لیکن سطح کی بلندی اور پستی کا فرق واضح ہے۔ شملہ اور آبو کا افق اور کلکتہ اور چیرالوکی کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ طول البلاد کا اتنا فرق ہے کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہوسکتا۔

(الاعتصام جلد ۲۶ شمارہ ۳۲، بحوالہ فتاوٰی علماء اہلحدیث ۶ / ۱۶۸)

شکست و ریخت

اختلاف مطالع کے سلسلہ میں یہاں واضح کردیں کہ احناف کے ہاں بھی اگرچہ اختلاف موجود ہے، لیکن ان کا مشہور مذہب یہی ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دیگر ائمہ و فقہاء کے یہاں اس اختلاف مطالع کا اعتبار ہے۔ اور یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح تر بات ہے کہ اعتبار کیا جائے۔ حتی کہ مولانا عبدالحی اور بعض دیگر حنفی اہل علم نے بھی اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ کے تعلق سے حنفی مذہب میں جو شکست و ریخت نظر آرہی ہے، وہ اس امر سے مزید واضح ہوجاتی ہے کہ "جدید فقہی مسائل" کے حنفی مؤلف نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مطالع میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ اب نظری نہیں رہا، بلکہ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہوچکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کے درمیان بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے۔ عین اس وقت جب کہ ایک جگہ دن اپنے شباب پر ہوتا ہے، دوسری جگہ رات اپنا آدھا سفر طے کر چکی ہوتی ہے ------ ٹھیک اس وقت جب کہ ایک جگہ ظہر ہوتی ہے، دوسری جگہ مغرب کا وقت ہوچکا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ان مقامات کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔ فرض کیجئے کہ جہاں مغرب کا وقت ہے، اگر وہاں چاند نظر آئے، تو کیا جہاں ظہر کا وقت ہے، وہاں بھی چاند نظر آجائے گا؟ یا اس کو مغرب کا وقت تسلیم کرلیا جائے گا؟

اور دوسرا مسئلہ جو اختلافِ مطالع کے اعتبار یا عدمِ اعتبار سے تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں احناف کا مشہور مسلک ذکر کرنے اور شافعیہ وغیرہ کے مسلک کا تذکرہ کرچکنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "یہ بات بہت واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات میں سبھی اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہوچکا ہو اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو، تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر و عشاء کی نماز ادا نہیں کرسکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہوچکا ہے۔ یا ایک جگہ اگر مہینہ کا اٹھائیسواں ہی دن ہے اور دوسری جگہ انتیسواں جہاں چاند نظر آگیا، تو محض بناء پر کہ دوسری جگہ چاند نظر آگیا ہے، ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کرکے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کی جائے گی۔"

اس لئے یہ بات فطری اور انتہائی منطقی ہے کہ مطلع کا اختلاف اور اسی لحاظ سے رمضان و عید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا (دیکھئے جدید فقہی مسائل ص ۷۹-۸۰) اور بعض متجددین کی طرف سے جو "وحدتِ امت" کے لئے دنیا بھر میں "وحدتِ عید" کا شاخسانہ تیار کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، مولانا عطاء اللہ حنیف (شارح نسائی) شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان) مولانا عبدالقدوس ہاشمی حنفی، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا عزیز زبیدی صاحب نے الاعتصام لاہور، فکر و نظر اسلام آباد و جسارت کراچی، محدث لاہور اور تفسیر ماجدی میں اس کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے (للتفصیل فتاوٰی علماء حدیث ۶/۱۶۴، ۱۸۳، ۲۰۵، ۲۰۶، ۱۹۹، ۲۰۰، ۱۹۸۔ اطلاع ارباب الکمال نورستانی ص ۱۰-۲۳۔ مکتبۃ العربیہ کراچی وفتوٰی شیخ ابن باز فی فتاوٰی اسلامیہ ۲/۱۳۶ طبع دار القلم بیروت

رؤیتِ ہلال، وحدتِ امت اور اختلافِ مطالع کے موضوع کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے المغنی ۳/ ۸۱ - ۸۳ بتحقیق محمد خلیل ہراس، طبع مصر۔

نیل الاوطار ۲/ ۱۹۴/۴ - ۱۹۵ طبع بیروت

فتاوٰی ابنِ تیمیہ ۲۵/ ۱۰۳ - ۱۱۴ طبع سعودی حکومت

فتاوٰی علماء حدیث ۹/ ۱۲۰ - ۲۰۷ طبع خانیوال

الفتح الربانی و شرحہ ۹/ ۲۷۰ - ۲۷۲ طبع مصر

اطلاع ارباب الکمال علیٰ ثبوت رؤیۃ الہلال ص ۴-۷۶ مؤلفہ مولانا عبدالعزیز نورستانی طبع مکتبہ ایوبیہ کراچی پاکستان

جدید فقہی مسائل ص ۶۷ - ۸۴ طبع حیدر آباد انڈیا

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے:

کبھی یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ ہمارے ان خلیجی یا دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنی مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کیا اور عید الفطر سے چند دن قبل پاکستان یا انڈیا وغیرہ چلا گیا تاکہ اپنے عزیزوں کے ساتھ مل کر عید کی خوشیاں منا سکے۔ جب کہ وہاں عموماً روزوں کا آغاز ایک دن بعد میں ہوتا ہے۔

اور اس کے بر عکس یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چند روزے اپنے ملک میں رکھنے کے بعد وہ یہاں آجائے، جب کہ اِدھر والوں نے اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا۔

ان ہر دو صورتوں میں سے کبھی تو کسی کے دوسروں کے ساتھ رہنے سے صرف اٹھائیس روزے ہی ہو پاتے ہیں، اور کبھی اکتیس بھی ہوسکتے ہیں۔ نہ یہ صحیح ہے اور نہ ہی وہ درست۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس چہ باید کرد؟

مذکورہ دونوں صورتوں کے نتیجہ میں پیش آمدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ:

اگر کوئی شخص کسی جگہ مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کرتا ہے۔ پھر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے رہنے والوں نے ایک دن پہلے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو وہ شخص انہی کے ساتھ عید الفطر کر لے اور انکے پہلے روزے کی جگہ اسے ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

اور اگر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے لوگوں نے اس شخص سے ایک دن بعد میں روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

اگر کہیں کہ وہ اکیلا ہی (ایک روزہ پہلے رکھ چکنے کی وجہ سے) عید الفطر کر لے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اکیلا آدمی چاند دیکھ لیتا ہے تو وہ اکیلا ہی مشہور قول کے مطابق افطار (عید الفطر) نہیں کر سکتا۔

اور اگر وہ ان کے ساتھ ہی روزے رکھتا رہے تو اس کے روزے (وہاں تیس ہونے کی شکل میں) اکتیس ہو جائیں گے۔

لہٰذا اگر اہلِ بلد اپنے روزے مکمل کر کے عید کریں مگر اس کے تاخیرِ رویتِ ہلال اور تاخیرِ آغازِ رمضان کی وجہ سے روزے پورے ہونے کی بجائے صرف اٹھائیس رہ جائیں تو بھی یہ ان مقامی لوگوں کے ساتھ عید کرلے اور بعد میں ایک روزہ قضا کر لے کیونکہ رمضان کسی بھی صورت میں اٹھائیس دنوں کا نہیں ہو سکتا۔

اور اگر تقدیمِ رؤیتِ ہلال اور تقدیمِ آغازِ رمضان کی وجہ سے اس کے روزے تو تیس ہو گئے مگر مقامی لوگ اپنی رؤیت کے حساب سے اگلے دن بھی روزہ رکھیں تو اس شخص کو اختیار ہے کہ یہ افطار کر لے (یعنی روزہ نہ رکھے) مگر (مقامی رؤیت کے حساب سے جاری) رمضان المبارک کے احترام کی خاطر سرعام کھانے پینے سے گریز کرے۔ اور چاہے تو مقامی لوگوں کے ساتھ محض نفلی طور روزہ رکھ لے۔ اور نفلی اس لئے کہ رمضان المبارک کے دن بالاتفاق اکتیس ہو ہی نہیں سکتے اور وہ اپنے تیس روزے پورے کر چکا ہے۔ اور یہ دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(نفلی روزہ رکھ لینے والی) صورت ہی بظاہر افضل ہے۔ (للتفصیل المجموع شرح المہذب للامام نووی ۶/۳۰۲-۳۰۳ طبع مصر، مجموع فتاویٰ امام ابن تیمیہ ۲۶/۱۰۶ وما بعد، طبع سعودی حکومت)

اور شیخ ابن باز نے اسی سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا ہے، جس میں اٹھائیس روزے رہ جانے کی شکل میں تو وہ انتیسواں روزہ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں، کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں، البتہ دوسری شکل میں اگر اسے اکتیسواں روزہ بھی رکھنا پڑے تو وہ ارشادِ نبوی:

"الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْاِفْطَارُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ"

"روزہ اسی دن سے شروع ہے جس دن سے تم سب روزہ رکھو اور عید اسی دن ہے جس دن تم سب کی عید ہو"

کی بناء پر اکتیسواں روزہ روزہ رکھنا بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔

(فتاویٰ اسلامیہ ۲/۱۳۳ طبع دارالقلم بیروت و الفتاویٰ لابن باز ۱/۱۷۱ سلسلہ کتاب الدعوۃ الریاض و ماہنامہ الفرقان قبرص و کویت، جلد اول شمارہ ۴ بابت ماہِ رمضان ۱۴۰۹ھ اپریل ۱۹۸۹ء)

اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں اکتیسواں روزہ بھی نفلی طور پر نہیں، بلکہ وجوباً رکھنا ہوگا، جب کہ یہ بات موصوف کے خود اپنے قول کہ "کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں" کے مفہوم کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس طرح کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوتا، اسی طرح بالاتفاق تیس دنوں سے زیادہ بھی نہیں ہوتا۔ علامہ ابنِ رشد نے رمضان کے روزوں کی کم از کم تعداد ۲۹، اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ پر اجماعِ امت نقل کیا ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۲۸۳-۲۸۴ طبع مکتبۃ المعارف الریاض) لہٰذا اب صورتِ حال پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ روزہ رکھنا ہی افضل ہے، وجوباً ہو یا نفلاً!

طویل الاوقات علاقوں میں روزہ

اور رؤیتِ ہلال کے ضمن میں ہی یہ بات بھی آئی ہے اور پیش بھی آسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے مقام پر قیام پذیر ہو جہاں وقت کے پیمانے الگ ہی ہوں مثلاً ہماری طرح چوبیس گھنٹے کے شب و روز نہ ہوں، بلکہ بائیس گھنٹوں کا دن اور دو گھنٹوں کی رات ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا پھر وہاں طویل عرصہ تک دن رہے اور پھر طویل عرصہ تک رات رہے" تو ایسے طویل الاوقات علاقوں میں روزہ کیسے رکھا جائے گا؟۔

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ روزہ کے اوقات کے بارے میں قرآن و سنت میں تصریح موجود ہے کہ طلوعِ فجر سے روزے کا آغاز اور غروبِ آفتاب پر اسکا اختتام ہوتا ہے۔اور بعض جزوی باتوں پر معمولی اختلاف سے قطع نظریہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس سے یہ تو ظاہر ہے کہ اس کے اصل اوقات یہی ہیں۔ جغرافیائی اور موسمی حالات کے لحاظ سے ان میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔حتیٰ کہ خود پاک و ہند میں ایسا تفاوت ہوتا رہتا ہے۔

اب اگر کہیں اوقات کا تھوڑا بہت فرق ہو مثلاً دن بارہ گھنٹوں کی بجائے سولہ یا سترہ گھنٹوں کا ہوجائے تو ظاہر ہے کہ روزہ کا حکم تب بھی یہی رہے گا۔ لیکن اگر کہیں غیر معمولی فرق ہوجائے تو بھی قرآن و سنت کے عمومی احکام کا تقاضا ہے کہ روزہ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک ہو اور احناف کا فتویٰ اسی پر ہے۔

(انظر "جدید فقہی مسائل" ص ۸۵)

البتہ چونکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے غیر معمولی مشقت پیدا ہوجائے گی اور عمر رسیدہ یا کمزور آدمیوں کے لئے روزہ رکھنا دشوار ہوجائے گا اس لئے علماء اس بات پر غور کرسکتے ہیں کہ کیا دوسرے قریبی معتدل موسم کے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروب آفتاب سے پہلے افطار کرلینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس بات کا فیصلہ کرنے میں فقہاء کے وہ خیالات بھی سامنے رکھے جاسکتے ہیں جن میں وہ کہتے ہیں: "المشقۃ تجلب التیسیر و الضرر یزال"۔کہ "مشقت آسانی کا باعث ہوسکتی ہے اور یوں ضرر زائل ہوجاتا ہے" اور فقہاء احناف نے تو بھوک و پیاس کی ہلاکت خیز شدت کو بھی روزہ توڑنے کے لئے عذر قرار دیا ہے چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ایسے اعذار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" انہی اعذار میں سے ایک بھوک و پیاس ہے" جب کہ بھوک یا پیاس کی شدت سے ہلاکت یا دماغی توازن کے بگڑ جانے کا خطرہ و اندیشہ ہو جیسے کوئی کنیز کام کی انجام وہی سے عاجز ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ رکھتی ہو۔ ایسے ہی وہ شخص ہے جسے شاہی افسر تعمیریا زراعتی کاموں کے لئے سخت گرم دنوں میں لے جائے اور ہلاکت یا دماغ کے متاثر ہوجانے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندیشہ ہو"

(فتاویٰ عالمگیری بحوالۂ بالا ایضاً)

ایسے میں روزہ توڑنے کی تو اجازت دی گئی ہے اور ایسی نادر صورتوں میں اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا بلکہ صرف قضاء ہی ہوگی۔ اور اگر کہیں ایسی صورت مسلسل ہو تو اس کے بارے میں اہلِ علم کو سوچنا چاہیئے کہ وہ لوگ اگر قریبی معتدل موسم والے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلیں تو ان کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

البتہ جہاں ایک طویل عرصہ تک دن اور پھر اسی طرح رات کا سلسلہ رہتا ہو (جیسے قطبین اور ان کے قریبی علاقے ہیں) وہاں روزہ کا کیا حکم ہے ؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جس کی بنیاد طویل الاوقات علاقوں میں نماز کے حکم پر ہے۔ اور جیسا کہ ہم "مسنون نماز" سے متعلق اپنی کتاب کے حصہ اول (اوقاتِ نماز) میں ذکر کرچکے ہیں کہ ایسے علاقوں میں اندازہ سے پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی کیونکہ نمازِ پنجگانہ کی فرضیت بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اور اس بات کا پتہ خود حدیث شریف میں مذکور ایک واقعہ سے بھی چلتا ہے جس میں حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے دجال کے ظہور کے وقت ایک ایسے دن کی پیش گوئی فرمائی ہے جو ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ :

"فذلك اليوم الذی كسنةٍ اتكفينا فيه صلٰوة يوم ؟ قال لا ، اقدروا له قدرهٗ الخ"

(صحیح مسلم مع النووی ۱۸/۹ / ۶۵-۶۶ — طبع احیاء التراث العربی - بیروت - صحیح الترمذی ۲۴۹/۲ طبع الریاض مکتب التربیۃ لدول الخلیج)

" اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا کیا ایک دن کی نماز کافی ہو جائے گی؟"

آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اس دن اندازہ سے کام لو "

اس حدیث نے گویا نمازوں کے مسئلہ کو دو ٹوک کر دیا ہے کہ ان کے اوقات کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندازہ سے کام لیا جائے گا کہ ہر چوبیس گھنٹوں کو ایک شب و روز تصور کر کے اوقاتِ نماز کے درمیان جو فصل ہے اس کا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں پڑھی جائیں گی۔ کیونکہ شرح مسلم نووی میں اندازے سے کام لینے کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "فجر پڑھیں اور جب طلوع فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کا عرصہ گذر گیا تو نمازِ ظہر پڑھیں اور جب ظہر و عصر کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گذر گیا تو نمازِ عصر پڑھیں اور پھر عصر و مغرب کے درمیانی وقت کا عرصہ گذر گیا تو نمازِ مغرب پڑھیں اور اسی طرح ہی عشاء، پھر فجر پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، اور نمازوں کا یہ سلسلہ اسی طرح ہی چلتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ دن ختم نہ ہو جائے۔"

(شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ۹، ۱۸/۶۶)

اور ایسے طویل الاوقات علاقوں میں جس طرح نماز کے اوقات کا اندازے سے تعین کیا جائے گا اور جس طرح نماز کی فرضیت بلا تخصیص عام ہے، اسی طرح ماہِ رمضان کے روزں کی فرضیت بھی چونکہ بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اور یہ عموم اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب ایسے مقامات پر بھی اندازے سے سال کے بارہ مہینے متعین کئے جائیں اور ایسے مقامات کے باشندوں کو ان مقامات کے مطابق عمل کرنا چاہیئے جو ان سے قریب ہیں اور وہاں معمول کے مطابق دن اور رات کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ وقت کی حیثیت محض ایک علامت کی ہے۔ واللہ اعلم! (نیز ملاحظہ کریں "جدید فقہی مسائل" ص ۸۴ - ۸۶)

رؤیتِ ہلال کی دعاء :

رؤیتِ ہلال، اختلافِ مطالع اور بعض دیگر متعلقہ مسائل کے ذکر کے بعد یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ ہلال یا چاند ماہِ رمضان کا ہو، جسے دیکھ کر اگلے دن سے روزہ رکھنا شروع کیا جاتا ہے، یا ماہ شوال کا، جسے "ہلالِ عید" کہتے ہیں۔ جسے دیکھ کر اگلی صبح عید کی جاتی ہے۔ یا چاہے کسی بھی دوسرے مہینے کا چاند کیوں نہ ہو، اسے جب پہلی مرتبہ دیکھا جائے تو اس موقع کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ایک دعاء تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ سنن دارمی، صحیح ابنِ حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اس دعاء کے یہ الفاظ ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" اللہ اکبر، اللّٰھمّ اھلّہ علینا بالامن والایمان والسّلامۃ و الاسلام و التّوفیق لما تحبّ وترضیٰ، ربّنا و ربّک اللہ "

(صحیح ابن حبان ۔ الموارد ص ۵۹۰)

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لئے امن و ایمان، سلامتی و اسلام اور اپنے پسندیدہ و رضاء یافتہ اعمالِ خیر کی توفیق ارزاں فرما۔ اے ہلالِ نو! ہمارا اور تمہارا سب کا پروردگار اللہ ہی ہے"

(بتحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ مدرس حرم مکی، طبع دارالکتب العلمیہ بیروت۔ دارمی، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بحوالہ صحیح الکلم الطیب، للامام ابنِ تیمیہ، بتحقیق الالبانی ص ۹۱ طبع المکتب الاسلامی ۹/ ۲۱۴)

جب کہ ترمذی میں قدرے اختصار ہے اور یہ مختصر دعاء ہی زیادہ معروف بھی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

" اللّٰھمّ اھللہ (اھلّہ) علینا بالیمن (بالامن) والایمان و السّلامۃ والاسلام ربّی و ربّک اللہ "

(ترمذی مع التحفۃ ۹/ ۴۱۴ عن طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ)

"اے اللہ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام نازل فرما۔ اے ہلالِ نو! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہی ہے"

اندازِ دعاء:

مذکورہ بالا دونوں دعاؤں میں سے جو بھی یاد ہو کریں، اور اگر کسی کو کوئی ایک بھی یاد نہیں تو ایک یاد کر لینی چاہئے۔ اور یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ چاند دیکھنے کے بعد جب تک دعاء کرتے رہیں، اپنا رخ چاند کی طرف ہی کئے رہتے ہیں۔ یہ اندازِ دعاء درست نہیں، کیونکہ مصنف ابنِ ابی شیبہ میں بعض آثارِ صحابہؓ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے چنانچہ حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں:

"اذا رأى الهلال فلا يرفع اليه رأسه، انّما يكفي من احدكم ان يّقول ربّي وربّك الله"

(ابنِ ابی شیبۃ ۱۲/۸/۱۱ بحوالہ تحقیق الکلم الطّیب ص۹ للشّیخ محمد ناصر الدّین البانی)

"جب تم میں سے کوئی شخص چاند دیکھے تو اس کی طرف سر اٹھائے نہ کھڑا رہے، بلکہ یہ کہہ دینا ہی کافی ہے "میرا اور تیرا رب (پروردگار) اللہ ہی ہے۔"

گویا چاند دیکھ کر صرف دعاء کردینا ہی کافی ہے، ادھر منہ کئے نہ کھڑا رہے۔ اور ایک دوسرے اثر میں حضرت ابنِ عباس ﷛ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ چاند دیکھ کر آسمان کی طرف منہ کئے کھڑے رہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ چاند دیکھ کر اپنی راہ لیں اور دعاء کردیں۔

(ابنِ ابی شیبہ ایضاً بحوالہ بالا)

© rasailojaraid.com